قسط ۲

علی محمود طٰہٰ ــــ حسومات

ابوسفیان اصلاحی، علی گڑھ

علی محمود طٰہٰ کی تالیفات!

اس کے آٹھ دواوین ہیں۔ (۱) الملاح التائہ (۱۹۳۴ء) (۲) لیالی الملاح التائہ (۱۹۴۰ء) (۳) ارواح شاردۃ (۱۹۴۱ء) (۴) ارواح واشباح (۱۹۴۲ء) (۵) زھر وخمر (۱۹۴۳ء) (۶) اغنیۃ الریاح الاربع (۱۹۴۳ء) (۷) الشوق العائد (۱۹۴۵ء) (۸) شرق وغرب (۱۹۴۷ء)

ان میں سے بیشتر دواوین کئی بار شائع ہوئے۔ بعض پانچ پانچ، چھ چھ بار طباعت کے مرحلے سے گذرے۔ ان کے علاوہ اس کے بہت سے قصائد ادبی جرائد و رسائل میں بکھرے پڑے ہیں۔ (۱)

وہ حسین مناظر کا دلدادہ۔ لطیف جذبات اور سحر انگیز تخیلات کا مالک تھا۔ وہ حسن کا شیدائی اور متلاشی تھا۔ پیار و محبت کے نغموں میں گم رہتا۔ آرام و آسائش اور تعیش پسندی اس کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ اس نے خود کو ایک الہامی نغمہ قرار دیا کہ جسے سارا زمانہ گنگناتا رہا اور اس کے ساز پر آسمان رقص کرتا رہا۔

علی محمود طٰہٰ کی خواہش تھی کہ کاش وہ ایک تتلی کے مانند ہوتا اور اِدھر سے اُدھر حسین اشیا اور خوبصورت پھولوں کی تلاش میں منڈلاتا رہتا، جس طرح کہ ایک تتلی ایک پھول سے دوسرے پھول پر پھدکتی رہتی ہے۔ پھول کا رس چوستی ہے، پانی پر اپنے پروں کو پھڑپھڑاتی ہے۔ علی محمود طٰہٰ کی زندگی بھی تتلی ہی کے مانند ہے۔ حسن و جمال ہمیشہ

اس کا شعار تھا۔ ساری زندگی جشنِ طرب مناتا رہا اور یورپ کے محلوں میں دادِ عیش دیتا رہا۔(۲) جیسا کہ اس کے اشعار اس بات پر شہادت دیتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

یا لیت لی کالفراش اجنحتہ — اھفو بھا فی القضاء ھیمانا

ارف للنور فی مشارقہ — أ اغتدی من سناہ نشوانا

وارشف القطر بواکرہ — فلا اروی القمافت ظمآنا (۳)

اس کے قصیدے "اللہ والشاعر" کا ذکر پیچھے آچکا ہے جو دیوان الملاح التائہ میں شامل ہے۔ یہ اس کی شاعری کا بہترین نمونہ ہے اور اس سے اس کے فن کی وقعت و عظمت منظرِ عام پر آتی ہے۔ اس میں اس نے ایک ایسے انسان کی تصویر کشی کی ہے کہ جسے نہ تو مکمل طور سے شک ہے اور نہ ہی پورے طور سے یقین و اطمینان۔ اشعار کو پڑھنے سے یہی اندازہ ہوا کہ وہ کرب و درد اور اضطراب سے دوچار ہے۔ کبھی وہ قضا و قدر پر ایمان لاتا ہے اور کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ قضا و قدر سے منحرف ہونے لگتا ہے۔ خداوند قدوس کے احکامات کی بجاآوری کرتا ہے اور کبھی شکایات۔ پورے قصیدہ سے یہی بات سامنے آئی کہ وہ متردد اور سرگرداں ہے۔ وہ جہاں پس و پیش میں مبتلا نظر آتا ہے۔ وادیٔ تیہہ میں بھٹکنا ہی اس کا مقدر بن چکا ہے یہی چیز ایک شاعر کو بلند شاعر بنا دیتی ہے اور ایک عظیم شاعر تادمِ زیست موج حوادث سے مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر رہتا ہے (۴)

علی محمود طٰہٰ۔ شاعر

علی محمود طٰہٰ کا تعلق جدید شعراء کے اس مکتبِ فکر سے ہے جو مطران اور شکری کے نظریات کا حامل رہا۔ اس نے شعراء مہجر اور فرانس کے رومانی شعراء سے بھی استفادہ کیا مثلاً بودلیر اور فریینی سے وہ بہت متاثر ہوا۔ وہ اپولو شعراء کے اسکول میں انفرادی شخصیت کا حامل ہے اس کے یہاں فنِ شاعری میں بڑا تنوع ہے۔ اس نے رمزیہ شاعری کی اور یونان کی ان داستانوں کو منظوم کیا جن میں جنگ و جدال اور خونریزیوں

حسن معانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ بعد کے آنے والے شعرا انھیں سے متأثر ہوئے۔ یہ جذبات اور مناظر فطرت کی نہایت حسین عکاسی کرتے۔ ان کا میلان جدیدیت کی طرف تھا، وہ اپنے احساسات کو آزادی کے ساتھ پیش کرتے۔ ان لوگوں نے ایک ایسے فن کی بنیاد ڈالی جس میں پوری طرح ادبی قدریں موجود ہیں۔

علی محمود طٰہٰ کا مطالعہ اور زبان وقواعد کے باب میں اس کی معلومات بہت محدود تھیں اس کے دواوین میں اکثر نحوی ولغوی غلطیاں مل جائیں گی۔ اپنے قصیدہ" علی الصخرۃ البیضاء" میں کہتا ہے۔

بحارۃ الوادی تلفع بالدجی   وتنشد الحان الربیع المباکر (۱۱)

یہاں مناسب تھا کہ وہ" تلفعوا اور" انشدوا" کہتا۔ یا" یتلفعون" اور" ینشدون" کہتا کیونکہ فعل شعر کا وزن بگاڑ دیتا ہے۔

ایسی ہی غلطی اس کے قصیدہ" الکرمۃ الاولیٰ" میں ہے۔

ھاتی اسقنی ھاتی   من دنّھا المختوم

انس بھا الآسی   من عمری المحتوم (۱۲)

یہاں مناسب تھا کہ وہ" اسقینی ھاتی" کہتا کیونکہ مخاطب مونث ہے اور شعر کے وزن کو بگاڑ دیتا ہے۔

ایسے ہی اس کے قصیدہ" عام جدید" میں ہے۔

کن یشیر الحب والنور الی   نھج کلمی داکبا و دواھی (۱۳)

ہاں مناسب تھا کہ وہ" اکبار دوام" کہتا۔

اس طرح کی بے شمار غلطیاں علی محمود طٰہٰ کے یہاں ہیں۔ اس کی طرف طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب حدیث الاربعاء" میں اس کے دیوان" الملاح التائہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے (۱۴)

علی محمود طٰہٰ کے یہاں شاعر کا مقام:

علی محمود طٰہٰ کا خیال ہے کہ شاعر ایک نمایاں شخصیت کا مالک ہے۔ دار فانی اور دار باقی

دونوں ہی جگہوں پر وہ ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ اس نے شعراء کے قصائد کو گرانقدر تصور کیا۔ وہ شاعر کی ولادت و عظمت۔ اس کی شراب اور اس کا بندہ و خدا سے کیا تعلق ہے۔ ان موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ دنیا میں اس کا کیا مقام ہے اور یہاں سے جانے کے بعد روز آخرت میں کیا ہوگا۔ اسے بھی زیر بحث لایا۔ شاعر اپنے انتقال کے بعد اپنی شاعری سے یاد کیا جاتا ہے اس پر روشنی ڈالی۔

شاعر دنیا میں روشنی کے ساتھ آتا ہے اسے عصار ساحرانہ اور قلب نبی کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ وہ انسانی شکل میں روح کا ایک حصہ ہے۔ ایک شاعر کی ولادت سے ساری کائنات روشن ہو جاتی ہے۔ پورا گہوارۂ ارض خوشبوؤں سے معطر ہو جاتا ہے۔ زمین روشنیوں سے اس کا استقبال کرتی ہے۔ ہرے بھرے درخت اس کی آمد پر تالیاں بجاتے ہیں۔ چڑیا چہچہانے لگتی ہیں۔ دوشیزائیں صبح سویرے اٹھکر اپنے گھروں کے لان میں آجاتی ہیں۔ چاند و ستارے کی ضیار پاشیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اہل زمانہ ایک شاعر کو اچھے القاب و آداب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ اس کا نغموں سے استقبال کرتے ہیں۔ فرشتے بھی آپس میں خوشیاں مناتے ہیں اس کے پیدا ہوتے ہی سارا عالم کیف و انبساط میں کھو جاتا ہے۔ (۱۵)

هبط الارض كالشعاع السنى ‏‏ بعصا ساحر و قلب نبی
لمعة من اشعة الروح حلت ‏‏ فی تجالید هیکل بشری
رحبته البیان ربا من السحر ‏‏ به للعقول اعذب ری
الهمت اصفریه من عالم الحکمة ‏‏ والنور کل معنی سری (۱۶)

شاعر نے زمین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ خداوند قدوس نے دنیا کا سارا حسن و جمال ہماری ذات سے عبارت کیا۔ خدا مکمل خیر ہے اس لئے ہمارے لئے بھی ہمیشہ خیر ہی پیدا کرے گا۔ اور ہمیں آخرت میں جنت الفردوس سے نوازے گا۔ (۱۷)

ایتها المحزونة الباکیة ‏‏ لا تیأس من رحمة المنقذ
لعل من آلامک الطاغیة ‏‏ اذا دعوت الله من منقذ

فابتهلی الله واستغفری وکفری عنك بنذ الا لم
وقدمی التوبة واستمطری بین یدیه عبرات الندم (۱۸)

علی محمود طٰہٰ کا خیال ہیکہ شاعر کے یہاں یہ تقدس اور عظمت اس کے احساسات کی دین ہیں۔ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ شاعر نبی کی مانند ہے۔ وہ خدا کا پیغام اور اس کے احکامات کو بندوں تک پہونچاتا ہے۔ اور عوام کو پیغام محبت اور تحفۂ حسن عطا کرتا ہے۔ وہ لوگوں کے لئے باعث شفقت و رحمت ہے وہ کہتا ہے۔ (۱۹)

انا الذی قد ست احزانه الشاعر الشاکی شقاء البشر
فتبرت بالرحمة العسا نه فأمك بها یارب قلب القدر (۲۰)

شاعر دنیا میں دست شفقت کے ساتھ آتا ہے تاکہ غریبوں اور مظلوموں کے آنسوؤں کو پونچھ سکے۔ وہ اپنے خوبصورت نغموں ہی کے سبب نبی سے مشابہ ہے۔ دونوں ہی دنیا میں پیغام رسانی ہی کے لئے بھیجے جاتے ہیں نبی پیغام الٰہی کا ذمہ دار ہے اور شاعر پیغام رحمت کا۔ وہ کہتا ہے۔

ماالشاعر الفنان فی کونه الا ید الرحمة من ربه
(جاری)

حوالہ جات

---

(۱) علی محمود طٰہٰ۔ شعر و دراسۃ۔ ص۔ و۔ ش۔ ت۔
(۲) ایضاً ص۔ ن۔ و۔ ف۔
(۳) ایضاً ص۔ ن۔ و۔ ف
(۴) طٰہٰ حسین۔ حدیث الاربعاء۔ الطبعۃ الثامنہ۔ دارالمعارف مصر سنہ ۱۹۶۸ء ۳/۱۴۳۔
(۵) تاریخ الشعر العربی الحدیث ص ۲۷۶ نیز دیکھئے عباس محمود العقاد کی کتاب "شعراء مصر وبیئاتہم فی الجیل الماضی ص ۲۰۲۔
(۶) علی محمود طٰہٰ شعر و دراسۃ ص ۴۴۷، ۴۴۸۔

(۷) تطور الشعر العربی الحدیث فی مصر ص ۱۵۱۔
(۸) الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱٦۳۔
(۹) ایضاً ص ۱٦۴۔
(۱۰) المجمع العلمی الہندی۔ ڈاکٹر سید مختار احمد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۳۹٦ھ ۱/ ۲۸۔
(۱۱) علی محمود طٰہٰ شعر و دراستہ ص ۳۰۸۔
(۱۲) ایضاً ص ۴۹۵۔
(۱۳) ایضاً ص ۴٦۵۔
(۱۴) ایضاً ص د۔ش۔ت نیز ملاحظہ ہو" حدیث الاربعاء" ص ۳/ ۱۴٦۔
(۱۵) علی محمود طٰہٰ شعر و دراستہ ص ا۔ب۔
(۱٦) ایضاً ص ٦۲۰
(۱۷) ایضاً ص ط۔ ل۔
(۱۸) محاضرات فی شعر علی محمود طٰہٰ ص ۲۲۸۔ ۲۲۹۔
(۱۹) علی محمود طٰہٰ شعر و دراستہ ص ۲۷۹۔
(۲۰) ایضاً۔

عہد مغلیہ یورپی سیاحوں کی نظر میں

(۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۷ء)

ڈاکٹر محمد عمر، شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

قسط ۵

(۲) دربار اور اس کے قوانین!

دربار مغلیہ کا بیان! دربار مغلیہ میں لوگ اپنے مناصب کے لحاظ سے کھڑے ہوتے تھے۔" امرار خاص اسرخ کٹہرے کے اندر کھڑے ہوتے تھے۔ جن کا مقام دوسروں کے مقابلے میں تین سیڑھیاں بلند ہوتا تھا۔ اسی کے نیچے دوسرا ایک" وسیع" احاطہ ہوتا تھا جس میں سرکاری عہدہ داران کھڑے ہوتے تھے۔ اس (کٹھہرے) کے باہر سرکاری فوج اور ان کے سپہ سالار کھڑے ہوتے تھے۔ اس کٹہرے کے بہت سے دروازے ہوتے تھے، ہر ایک دروازے پر ہاتھ میں سفید ڈنڈے لئے چند دربان مقرر کئے جاتے تھے۔ وہ لوگ وہاں نظم ونسق برقرار رکھتے تھے۔ بادشاہ کے سامنے ایک ماہر جلاد کے ساتھ منصفِ اعلیٰ کھڑا ہوتا تھا جس کے ساتھ چالیس معاون ہوتے تھے جو" دوسرے سب لوگوں سے روئی کی مختلف ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے" ان کے کندھوں پر کلہاڑیاں لٹکی ہوتی تھیں اور ان کے بغل میں کوڑے ہوتے تھے۔ وہ لوگ بادشاہ کے احکامات کی تکمیل کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

معائنہ!

سکّے کے علاوہ شہنشاہ روزانہ ہر قسم کے مال وزر اور جانوروں کا معائنہ

سجایا کرتا تھا۔ اس قسم کی تمام چیزوں کو مختلف طریقے سے۔ ۳۶ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا تاکہ وہ (بادشاہ) ہر ایک کو روزانہ دیکھ سکے جیسے گھوڑے، اونٹ، ہاتھی، خچر اور جواہرات وغیرہ۔" اس طرح یہ سلسلہ پورے سال جاری رہتا تھا کیونکہ جو چیز آج اس کے سامنے پیش کر دی جاتی تھی تو اس چیز کو بارہ مہینوں کے بعد وہ اسی دن دیکھتا تھا۔

جائداد کی ضبطی کا قانون :

ایک منصبدار کی وفات پر بادشاہ اس کی ساری دولت کو اپنی تحویل میں لے لیتا تھا۔ متوفی کے بچوں کو جو کچھ وہ چاہتا تھا دے دیتا تھا۔ ہاکنس کے بیان کے مطابق "بالعموم وہ (بادشاہ) ان کے (بچوں) ساتھ اچھا سلوک کیا کرتا تھا۔ ان کے والد کی زمینیں ان میں تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ اس کے بڑے بیٹے کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ جو ایک نہ ایک دن اپنے باپ کا پورا خطاب حاصل کر لیتا تھا۔"

پرچہ نویس :

چاہے بادشاہ نشے میں ہوتا یا معتدل، اس کی خدمت میں ہمہ وقت کاتب حاضر رہتے تھے جو اس کی بات کو قلم بند کر لیتے تھے جو وہ کرتا تھا یا کہتا تھا۔ لہذا کوئی بات نظر انداز نہیں ہوتی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے بیانات کو محفوظ کر لیا جائے اور اس کی فتوحات کو قلم بند کر لیا جائے تاکہ اس کے مرنے کے بعد تاریخوں میں اس کا ذکر کیا جا سکے۔

جشنِ نوروز :

نوروز کا جشن ۱۸ دنوں تک منایا جاتا تھا۔ شاہی محل میں ہر ایک امیر کے کمروں کو بڑی حد تک سجایا جاتا تھا۔ (قلعہ کے اندر) ایک وسیع میدان میں ایسے خیمے نصب کیے جاتے تھے: "جو اپنی شان و شوکت میں عدیم المثال ہوتے تھے" ایک شامیانہ وسط میں لگایا جاتا تھا۔ اسے ایسی قناتوں سے گھیر دیا جاتا تھا "جو عجیب و غریب مخمل کی ہوتی تھیں۔ اس مخمل پر سنہری اور